بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

زکوٰۃ

(قرآن مجید کی روشنی میں)

لفظ زکوٰۃ (مادہ ز- ک- و) کے بنیادی معنی بڑھنا- پھولنا- پھلنا- نشوونما پانا ہیں- لغات میں ہے- زَکَا الْمَالُ وَ الزَّرْعُ- مال مویشی اور کھیتی باڑی کا بڑھنا- پھولنا- پھلنا- زَکَا الرَّجُلُ یَزْکُوْ- آدمی آسودہ اور خوشحال ہو گیا- اس کی صلاحیتوں میں نشوونما آ گئی' اس کی زندگی سرسبز و شاداب ہو گئی- امام راغبؒ نے اس کے یہ معنی لکھ کر اس کی مثال میں قرآن کریم کی یہ آیت درج کی ہے- فَلْیَنْظُرْ اَیُّهَآ اَزْکٰی طَعَامًا (18/19)- "(بازار جاؤ اور) یہ دیکھو کہ کونسا کھانا ایسا ہے جس میں نشوونما دینے کی زیادہ صلاحیت ہے- جو زیادہ ((Nutritious) ہے-"

لہٰذا' لفظ زکوٰۃ کے معنی بڑھنا- بالیدگی حاصل کرنا- نشوونما پانا ہیں- اس کے معنی پاکیزگی کے بھی آتے ہیں- غالباً اس لئے کہ درختوں کی نشوونما کے لئے ان کی شاخ تراشی کی جاتی ہے- یعنی ان سے جھاڑ جھنکار دور کیا جاتا ہے-

لیکن یہ اس کے بنیادی معنی نہیں- چنانچہ خود قرآن کریم میں' ایک ہی آیت میں ازکیٰ اور اطہر کے الفاظ الگ الگ آئے ہیں----- اَزْکٰی لَکُمْ وَ اَطْهَرُ (2/232)- اس میں اطہر کا لفظ پاکیزگی کے لئے آیا ہے- اور ازکیٰ کا لفظ نشوونما کے لئے- (یہی دونوں لفظ (9/103)- میں بھی آئے ہیں-) پاکیزگی ایک سلبی صفت ہے- یعنی نقائص اور خرابیوں سے دور رہنا- لیکن زکوٰۃ ایجابی صفت ہے- یعنی بڑھنا- پھولنا- پھلنا- نشوونما پانا- صاحب

محیط نے بیضاوی کے حوالے سے' الزکی کے معنی لکھے ہیں' خیر و خوبی کے ساتھ بڑھنے والا- عمدہ صلاحیتوں کے ساتھ ایک عمر سے دوسری عمر تک پہنچنے والا- اَرْضٌ زَكِيَّةٌ کے معنی ہیں زرخیز زمین جس میں خوب نشوونما ہو- (حوالوں کے لئے پرویز صاحب کی لغات القرآن دیکھئے-)

ان تصریحات سے واضح ہے کہ الزکوٰۃ کے معنی ہیں وہ سامان جس سے انسان کی نشوونما ہو- ظاہر ہے کہ "نشوونما" میں انسانی جسم اور اس کی صلاحیتوں' دونوں کی نشوونما ہو گی-

قرآن کریم میں اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتُوا الزَّكٰوةَ (2/43)- کے الفاظ (مختلف صیغوں میں) بکثرت آئے ہیں- اس کے معنی یہ ہیں کہ مومنین کی صفت یا ذمہ داری اقامت صلوٰۃ (نظام صلوٰۃ قائم کرنا) اور ایتائے زکوٰۃ (زکوٰۃ دینا) ہے- اقامت صلوٰۃ الگ موضوع ہے- اس سے ہم سردست' صرف نظر کرتے ہوئے' اپنے آپ کو ایتائے زکوٰۃ تک محدود رکھتے ہیں-

قرآن کریم کی اس اصطلاح کا مفہوم سمجھنے کے لئے' اس کے معاشی نظام کا سمجھنا ضروری ہے- اس کے متعلق ہم صدہا صفحات لکھ چکے ہیں' اور پرویز صاحب کی مستقل تصنیف' نظام ربوبیت گویا اس کا صحیفہ ہے- یہاں ہم مختصر الفاظ میں اس نظام کی بنیادی خصوصیات بیان کرنے پر اکتفا کرتے ہیں-

(1) قرآن مجید میں ہے :-

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِى الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا .... (11/6)-

سطح ارض پر کوئی ذی حیات ایسا نہیں جس کے رزق کی ذمہ داری اللہ پر نہ ہو-

اس میں انسان اور دیگر جاندار سب شامل ہیں- خاص کر انسانوں کے متعلق فرمایا :-

وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ ط نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَ اِيَّاهُمْ ج(6/152)

-(17/31)

تم افلاس کے ڈر سے اپنی اولاد (کی صلاحیتوں) کو کچل نہ
دیا کرو۔ ہم تمہارے رزق کے بھی ذمہ دار ہیں اور
تمہاری اولاد کے رزق کے بھی۔

(2) اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے سلسلے میں جو ذمہ داریاں لے رکھی ہیں' وہ انہیں براہ راست خود پوری نہیں کرتا۔ وہ ذمہ داریاں وہ نظام پوری کرتا ہے جو اس کے نام پر قائم کیا جاتا ہے۔ اسے اسلامی مملکت بھی کہتے ہیں۔ چنانچہ اس نے اس غلط فہمی کو دور کرنے کے لئے کہ خدا' انسانوں کو براہ راست رزق پہنچائے "گا' اس کے لئے انسانوں کے کرنے کا کوئی کام نہیں' فرمایا :-

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ ۙ قَالَ الَّذِيْنَ
كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَنُطْعِمُ مَنْ لَّوْ يَشَآءُ اللّٰهُ اَطْعَمَهٗۤ ۖ اِنْ
اَنْتُمْ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ۔ (36/47)۔

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ جو سامان زیست تمہیں
خدا نے عطا کیا ہے اسے حاجتمندوں کی ضروریات پوری
کرنے کے لئے کھلا رکھو' تو کفار' ایمان والوں سے کہتے
ہیں کہ اگر خدا کا یہی منشا تھا کہ رزق کی تقسیم اس طرح
سے ہو کہ دنیا میں کوئی بھوکا نہ رہے تو اس نے خود ہی
ایسا انتظام کیوں نہ کر دیا۔ ان سے کہو کہ تم ایسا سمجھنے میں
کس قدر گمراہی اختیار کرتے ہو۔ (خدا اپنی ذمہ داریاں
براہ راست پوری نہیں کرتا۔ انسانوں کے ہاتھوں پوری
کرایا کرتا ہے)۔

چنانچہ اسلامی نظام کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ ایسا انتظام کرے جس سے تمام افراد معاشرہ کو سامان زیست مہیا ہوتا رہے۔ اسی حقیقت کو ایک روایت میں اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ (حضور ^ نے فرمایا کہ)

جس بستی میں کوئی ایک فرد بھی رات کو بھوکا سو گیا خدا
نے اس بستی سے اپنی حفاظت کی ذمہ داری اٹھا لی۔

(3) قرآن کریم نے اسلامی نظام (یا مملکت) کی اس ذمہ داری کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے :-

اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِى الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ (22/41)-

یہ (مومنین) وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم نے انہیں ملک میں حکومت عطا کر دی' انہیں اقتدار حاصل ہو گیا تو یہ نظام صلوٰۃ قائم کریں گے اور تمام نوع انسانی کے لئے زکوٰۃ (سامان نشوونما) مہیا کریں گے۔ ان احکام کو نافذ کریں گے جنہیں قرآن صحیح قرار دیتا ہے۔ ایسے کاموں سے روکیں گے جنہیں وہ جائز قرار نہیں دیتا۔ غرضیکہ وہ ہر پیش آنے والے معاملہ کے متعلق دیکھیں گے کہ اس باب میں خدا کا قانون کیا کہتا ہے۔

یہاں ہم' قطع نظر دیگر امور' زکوٰۃ کے متعلق بات کریں گے۔ قرآن کریم نے کہا ہے کہ :-

(i) ایتائے زکوٰۃ کا فریضہ جماعت مومنین کی اپنی آزاد مملکت میں ہی ادا ہو سکتا ہے۔ (پاکستان کے حصول کا یہی مقصد تھا۔)

(ii) یہاں کہا گیا ہے کہ اسلامی مملکت افراد معاشرہ کو "زکوٰۃ دے گی"۔ (اتوا الزکوٰۃ۔ یعنی سامان نشوونما مہیا کرے گی)۔ قرآن مجید میں کسی جگہ بھی یہ نہیں کہا گیا کہ وہ لوگوں سے "زکوٰۃ" لے گی۔ سارے قرآن میں "زکوٰۃ دو"۔۔۔ "زکوٰۃ دو" کے الفاظ آئے ہیں۔ اس سے اسلامی مملکت کو اس کے اس اہم فریضہ کی ادائیگی کی تاکید کی گئی ہے۔ یعنی ان سے کہا گیا ہے

کہ افراد معاشرہ کے لئے سامان نشوونما مہیا کرو۔ خدا نے جو ذمہ داری اپنے اوپر لے رکھی ہے' اسے پورا کرو۔

(4) جب کسی خطہ ارض پر یہ نظام قائم ہو جائے گا جس کی رو سے تمام افراد معاشرہ کی ضروریات زندگی اور سامان و ذرائع نشوونما کا مہیا کرنا' حکومت کے ذمے ہو گا' تو افراد معاشرہ کو روپیہ اپنے پاس رکھنے اور جمع کرنے کی ضرورت نہیں ہو گی۔ چنانچہ قرآن کریم نے دولت جمع کرنے کے خلاف وعید کا اعلان کیا ہے۔ سورۃ المعارج میں ہے :-

(i) تَدْعُوْا مَنْ اَدْبَرَ وَ تَوَلّٰى ○ وَ جَمَعَ فَاَوْعٰى ○ (70/17-18)-

جہنم آوازیں دے دے کر بلاتی ہے اس شخص کو جو نظام خداوندی سے منہ موڑتا اور گریز کی راہیں نکالتا ہے۔

یعنی اس شخص کو جو دولت تجوری میں جمع کرتا ہے اور اس کا منہ اوپر سے کس کر باندھ دیتا ہے۔

(ii) سورۃ الھمزہ میں اس اجمال کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے جہاں فرمایا :-

وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةٍ ○ الَّذِىْ جَمَعَ مَالًا وَّعَدَّدَهٗ ○ يَحْسَبُ اَنَّ مَالَهٗۤ اَخْلَدَهٗ ○ كَلَّا لَيُنْۢبَذَنَّ فِى الْحُطَمَةِ ○ وَمَاۤ اَدْرٰىكَ مَا الْحُطَمَةُ ○ نَارُ اللّٰهِ الْمُوْقَدَةُ ○ الَّتِىْ تَطَّلِعُ عَلَى الْاَفْـِٕدَةِ ○ (104/1-7)-

(اے رسول ! تم برملا کہہ دو کہ) وہ شخص تباہ ہو کر رہے گا جس کی زندگی کا مقصد ہی یہ ہو کہ وہ دولت اکٹھی کرتا رہے اور پھر گنتا رہے (کہ اب کتنا روپیہ جمع ہو گیا' اور اب کتنا)۔ ایسے شخص کی ذہنیت یہ ہو جتی ہے کہ اگر قوم میں کوئی مصلح وغیرہ پیدا ہو جو نظام سرمایہ داری کے خلاف کچھ کہے تو یہ اس میں ہزار عیب نکالے گا۔ نکتہ چینی کرے گا۔ اس کے خلاف جھوٹا پراپیگنڈہ کرے گا اور کوشش کرے گا کہ اس کے ساتھیوں میں پھوٹ پڑ جائے۔

اس سے پوچھو کہ کیا اس کا مال اسے ہمیشہ مصیبتوں سے بچاتا رہے گا؟
اگر وہ ایسا سمجھتا ہے تو وہ زعم باطل میں مبتلا ہے۔ اس کا مال ناکارہ شے کی طرح تباہی کے جہنم میں جھونک دیا جائے گا جو اس کے ٹکڑے کر دے گی۔ اور اس طرح وہ اس کے کسی کام نہیں آسکے گا۔

یہ "تباہی کا جہنم" کیا ہے؟ اس کا جواب خدا ہی دے سکتا ہے۔

اور وہ جواب یہ ہے کہ یہ خدا کے قانون مکافات کی بھڑکائی ہوئی وہ آگ ہے جس کے شعلے دلوں کو اپنی لپیٹ میں لے لیتے ہیں۔

(iii) اس موضوع پر آیات تو متعدد پیش کی جا سکتی ہیں' لیکن ہم ان میں صرف دو کا اضافہ کافی سمجھتے ہیں۔ سورۂ توبہ کی وہ آیات جن میں کہا گیا ہے :-

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْاَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ لَيَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ط وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ط فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝ يَّوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَ جُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ ط هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ۔ (9/34-35)

اے جماعت مومنین ! اس حقیقت کو اچھی طرح سمجھ رکھو کہ علماء اور مشائخ (مذہبی پیشواؤں) میں سے اکثر کی حالت یہ ہوتی ہے کہ وہ جھوٹ اور فریب سے لوگوں کا مال کھا جاتے ہیں۔ دعویٰ ان کا یہ ہوتا ہے کہ وہ لوگوں کو خدا کی راہ کی طرف دعوت دیتے ہیں' لیکن درحقیقت وہ خدا کی راہ میں روک بن کر کھڑے ہوتے ہیں تاکہ لوگ اس طرف آنے نہ پائیں۔

(اے رسولؐ ! تم ان مذہبی پیشواؤں کو' اور ان کے ساتھ ان لوگوں کو جو اب' مذہبی پیشواؤں کی خود ساختہ شریعت کی آڑ میں) چاندی اور سونے (دولت) کے ڈھیر جمع کرتے رہتے ہیں۔ اور انہیں خدا کی راہ' یعنی نوع انسانی کی زکوٰۃ کے لئے کھلا نہیں رکھتے۔ الم انگیز عذاب کی خبر سنا دو۔

یعنی اس عذاب کی خبر جس کی رو سے ان کے اس مال کو جہنم کی آگ میں تپایا جائے گا اور اس سے ان کی پیشانیوں' ان کے پہلوؤں اور ان کی پیٹھوں کو داغا جائے گا' اور ان سے کہا جائے گا کہ یہ وہ مال ہے جسے تم نے اپنے لئے جمع کر رکھا تھا۔ سو جو کچھ تم نے یوں جمع کر رکھا تھا' اس کا اب مزہ چکھو۔

(iv) اس قسم کے احکام کے بعد' جماعت مومنین کے دل میں فطری طور پر یہ سوال پیدا ہوا کہ ہم اپنی کمائی میں سے کچھ بھی اپنے پاس رکھ سکتے ہیں' یا نہیں' اور اگر رکھ سکتے ہیں تو کس قدر؟--- سورۂ بقرہ میں ہے :-

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ○(2/219)-

اے رسولؐ! یہ تجھ سے پوچھتے ہیں کہ ہم کس قدر اپنے پاس رکھیں' اور کس قدر دوسروں کی ضروریات پوری کرنے کے لئے دے دیں؟

کہا۔ جب تمہاری ضروریات پوری کرنے کا ذمہ اسلامی نظام نے لے رکھا ہے' تو تم نے زائد از ضرورت مال رکھنا کاہے کو ہے؟

قُلِ الْعَفْوَ ط (2/219)

ان سے کہو کہ جس قدر تمہاری ضروریات سے زائد ہے' وہ سب دوسروں کی ضروریات پورا کرنے کے لئے دے دو۔

اس نظام کو اللہ تعالیٰ نے بڑے حسین اور بلیغ انداز میں بیان فرمایا ہے جہاں کہا ہے کہ

اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ط (9/111)-

یہ حقیقت ہے کہ خدا مومنوں سے ان کی جان اور مال خرید لیتا ہے بعوض جنت کے۔

یعنی مومن اپنی جان اور مال خدا کے ہاتھ بیچ ڈالتے ہیں' اور ان کے عوض انہیں جنت مل جاتی ہے۔ جو کچھ ہم نے شروع میں لکھا ہے اس کی رو سے یہ واضح ہے کہ بیع و شریٰ (خرید و فروخت) کا یہ معاملہ افراد معاشرہ اور

اسلامی نظام کے ساتھ طے پاتا ہے۔

اسلام کے معاشی نظام کے متعلق جو کچھ اوپر کہا گیا ہے اتنے ہی سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ اس سے نظام سرمایہ داری کی جڑ کٹ جاتی ہے۔ جب یہ نظام قائم ہوا تھا تو اس نے فی الواقعہ نظام سرمایہ داری کی جڑ کاٹ دی تھی۔ اس نظام کی رو سے اتنا اور واضح ہو جاتا ہے کہ اس میں مروجہ زکوٰۃ کا مفہوم فٹ ہی نہیں بیٹھتا۔ یعنی یہ مفہوم کہ ہر شخص کو اجازت ہے کہ جتنا جی چاہے مال جمع کرتا رہے اور سال کے بعد اس میں سے اڑھائی فی صد کے حساب سے دے دے۔ باقی مال حلال و طیب ہو جائے گا۔

سوال یہ ہے کہ زکوٰۃ کا یہ تصور آیا کہاں سے؟ اس کا جواب غور سے سمجھنے کا متقاضی ہے۔

جیسا کہ ہم نے کہا ہے، اسلام کا معاشی نظام، نظام سرمایہ داری کا شدید ترین دشمن تھا۔ اس نظام کے قیام سے سرمایہ داروں پر جو کچھ گذری ہو گی، وہ ظاہر ہے۔ جب تک اسلامی نظام قائم رہا یہ اس کے خلاف کچھ نہ کر سکے۔ لیکن جب امت کی گاڑی دوسری پٹڑی پر جا پڑی، اور خلافت کی جگہ ملوکیت آگئی تو نظام سرمایہ داری کے مؤیدین نے بھی سر ابھارا۔ لیکن وہ اسلام کا نام چھوڑ کر اپنا نظام رائج نہیں کر سکتے تھے۔ اس لئے انہوں نے ایسا طریق سوچا جس سے امت اس مغالطہ میں رہے کہ یہ نظام، اسلام کے خلاف نہیں۔ اس کے لئے آسان طریق یہ تھا کہ ایک روایت وضع کر لی جائے اور اسے منسوب کر دیا جائے حضورؐ نبی اکرم کی طرف۔ آپ نے سورۂ توبہ کی اس آیت کو دیکھا ہے جس میں کہا گیا ہے کہ : وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۙ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ○ .....(9/34)- ”جو لوگ چاندی اور سونا (دولت) جمع کرتے ہیں اور اسے اللہ کی راہ (ربوبیت عالمینی) میں صرف کرنے کے لئے کھلا نہیں رکھتے، ان کے لئے عذاب الیم ہے“۔ اب وہ وضعی روایت ملاحظہ فرمایئے :-

(حضرت) ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ جس وقت یہ آیت نازل ہوئی (وَالَّذِیْنَ یَکْنِزُوْنَ الذَّھَبَ وَالْفِضَّۃَ......) تو مسلمانوں پر اس کا خاص اثر ہوا۔ انہوں نے اس حکم کو گراں خیال کیا۔ حضرت عمرؓ نے لوگوں سے کہا کہ میں تمہاری اس فکر کو دور کر دونگا۔ پس عمرؓ رسولؐ اللہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا۔ یا نبیؐ اللہ ! یہ آیت آپؐ کے صحابہؓ پر گراں گذری ہے۔ آپؐ نے فرمایا۔ خداوند تعالیٰ نے زکوۃ اس لئے غرض کی ہے کہ وہ تمہارے باقی مال کو پاک کر دے...... ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ حضورؐ کا یہ بیان سن کر عمرؓ نے جوش مسرت سے اللہ اکبر کا کہا....

(ابو داؤد۔ بحوالہ مشکوۃ۔ کتاب الزکوۃ۔ اردو ترجمہ۔ شائع کردہ۔ نور محمد۔ کارخانہ تجارت کتب۔ کراچی۔ ص 309-310)

بادنیٰ تدبر یہ بات واضح ہو جائے گی کہ یہ روایت وضع ہے اور اس زمانے کی تراشیدہ جب ہمارے دور ملوکیت میں نظام سرمایہ داری رائج ہو چکا تھا۔ اس میں سب سے پہلے تو یہ دیکھئے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک حکم نازل ہوتا ہے اور (کہا یہ گیا ہے کہ وہ) صحابہ کبارؓ پر (معاذ اللہ) گراں گذرا۔

خدا کا حکم تو ایک طرف' قرآن مجید میں نبی اکرمؐ کو مخاطب کر کے کہا گیا ہے کہ "خدا اس پر شاہد ہے کہ یہ لوگ کبھی صاحب ایمان نہیں ہو سکتے جب تک یہ اپنے ہر نزاعی معاملہ میں تجھے اپنا حکم مقرر نہ کریں۔ اور پھر۔

تیرے فیصلے کے خلاف اپنے دل کی گہرائیوں میں بھی کوئی گرانی محسوس نہ کریں اور اس کے سامنے سر تسلیم خم کر دیں۔ (4/65)

آپ سوچئے کہ کیا ان صحابہؓ پر خدا کا حکم گراں گذرے گا؟

پھر ان "کبیدہ خاطر" صحابہؓ کی نیابت کے لئے اپنے آپ کو کون پیش کرتا ہے؟

حضرت عمرؓ جن کی زمانہ خلافت میں بھی یہ حالت تھی کہ ان کے تہبند میں بارہ بارہ پیوند لگے ہوئے ہوتے تھے!

اور خدا کے حکم کے علی الرغم (97/1-2) فیصد مال جمع رکھنے کا فیصلہ (معاذ اللہ) وہ ذاتؐ گرامی دیتی ہے جس نے سربراہ مملکت ہونے کے باوجود ایک فالتو پیسہ بھی اپنا گھر میں نہ رکھا۔ حتیٰ کہ (روایت میں ہے کہ)

> مرض الموت کے ایام میں حضورؐ کے ہاں سات دینار تھے۔ حضورؐ فرماتے تھے کہ انہیں صدقہ کر دو۔ لیکن اس کے بعد حضورؐ پر غشی طاری ہو گئی اور سب لوگ آپ کی تیمارداری میں مصروف ہو گئے۔ آپؐ کو ہوش آیا تو فرمایا۔ وہ دینار لے آؤ۔ دینار کو حضورؐ نے اپنے ہاتھ پر رکھ کر کہا کہ محمدؐ کا اپنے رب پر کیا گمان ہو گا جب کہ وہ اپنے رب کو ملے اور اس کے پاس یہ دینار ہوں۔ پھر حضورؐ نے انہیں خود صدقہ کر دیا۔ (بحوالہ صحیح السیر۔ حکیم داناپوری)

کیا یہ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنی امت کے لئے یہ روا رکھیں گے کہ وہ بے حد و نہایت دولت جمع کرتے رہیں اور اس میں سے صرف اڑھائی فیصد سالانہ خیرات کر دیا کریں۔ باقی مال حلال و طیب ہو جائے گا!

بہرحال یہ ہے وہ روایت جسے مروجہ زکوٰۃ کی سند میں پیش کیا جاتا ہے۔ اس کے بعد، اس زکوٰۃ کی جزئیات'---------- یعنی نصاب۔ شرح۔ مدت وغیرہ مقرر ہوئیں' اور ان کے مطابق کچھ پیسے دے دینے سے اطمینان کر لیا کہ خدا کے حکم (اتوالزکٰوۃ) کی تعمیل ہو گئی! یاد رکھئے۔ نہ اس قسم کی زکوٰۃ کا کوئی حکم قرآن میں ہے۔ نہ ہی ان جزئیات کا اس میں کوئی ذکر

ہے۔

اس مقام پر ایک بات کا ذکر دلچسپی سے خالی نہیں ہو گا۔ کہا یہ جاتا ہے کہ (کم از کم) مصارف زکوٰۃ کی تصریح تو خود قرآن نے کر دی ہے اور اس کی سند میں سورۂ توبہ کی وہ آیت پیش کر دی جاتی ہے جس میں کہا گیا ہے کہ اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَ فِى الرِّقَابِ وَالْغٰرِمِيْنَ وَفِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ط فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ط وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ○ (9/60)۔ قرآن کریم نے یہ مصارف' صدقات کے بتائے ہیں' نہ کہ زکوٰۃ کے۔ اور قرآن کریم نے زکوٰۃ کو صدقات کہیں نہیں کہا۔ صدقات بالکل الگ چیز ہیں۔ لیکن اس کے باوجود (جیسا کہ اوپر کہا گیا ہے) انہیں مصارف زکوٰۃ کہہ کر پکارا جاتا ہے۔ (مثلاً) دارالعلوم' کراچی کا ترجمان' ماہنامہ البلاغ' مفتی محمد شفیع (مرحوم) کے صاحبزادہ (مولانا) محمد تقی عثمانی کے زیر ادارت شائع ہوتا ہے۔ اس کی اگست 1980ء کی اشاعت میں لکھا گیا ہے کہ زکوٰۃ اور عشر کے متعلق حالیہ آرڈی نینس پر غور کرنے کے لئے "مجلس تحقیق حاضرہ" کے تین اجلاس ہوئے۔ جن میں ممتاز علماء نے شرکت کی۔ اس مجلس کی روئداد میں' منجملہ دیگر امور' کہا گیا ہے کہ

> زکوٰۃ کے تقدس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس کے مصارف کا تعین انبیاء علیہم السلام پر بھی نہیں چھوڑا بلکہ اسے بذات خود قرآن کریم میں متعین فرما دیا ہے۔ (ص 4-5)

اور اس سے مراد وہی صدقات کے متعلق آیت ہے۔ یعنی (9/60)۔ بالفاظ دیگر (ان حضرات کے نزدیک) اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ کے مصارف کو زکوٰۃ کے مصارف نہیں' بلکہ صدقات کے مصارف کہہ کر پکارا ہے اور اسے علماء پر چھوڑا ہے کہ صدقات سے مراد زکوٰۃ لیں!

صدقات کا صحیح مفہوم سمجھنے کے لئے یہ جاننا ضروری ہے کہ حضور نبی

اکرمؐ کی دعوت اسلام کے اولیں مرحلہ میں مومنین کی جماعت تو وجود میں آگئی تھی لیکن اسلامی نظام ہنوز قائم نہیں ہوا تھا۔ اس دور میں بھی محتاجوں اور مفلسوں کی ضروریات کا خیال رکھنا ضروری تھا۔ اس کے لئے مرفہ الحال مسلمانوں کو ترغیب دلائی جاتی اور تلقین کی جاتی تھی کہ وہ اپنے غریب بھائیوں کی امداد کریں۔ ان کی اس امداد کو صدقات کہا جاتا تھا۔ بعض اجتماعی ضروریات کے لئے بعض اوقات حضورؐ کی طرف سے اپیل بھی کی جاتی تھی اور صحابہؓ کی طرف سے اس کے جواب میں عطیات کی پیش کش ہوتی تھی۔ یہ (عطیات) وہ صدقات تھے جن کے متعلق حضورؐ سے کہا گیا کہ خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ ط إِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ ط۔ (9/103)۔ "تم ان عطیات کو وصول کر لیا کرو جو یہ اپنی دولت سے پیش کریں۔ اور ان عطیات سے ان کے قلب و دماغ کی تطہیر اور ان کی صلاحیتوں کی نشوونما (تزکیھم) کا انتظام کرو۔ ان کے اس قسم کے ایثار کی تحسین ستائش سے ان کی حوصلہ افزائی کرو۔ تمہاری یہ حوصلہ افزائی ان کے لئے وجہ تسکین خاطر ہو گی"۔

اس آیت میں دو باتیں قابل غور ہیں۔ ایک تو یہ کہ حضورؐ سے فرمایا گیا ہے کہ خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً ان کے اموال میں سے صدقات لے لیا کرو۔ سارے قرآن میں خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ زکوٰۃ (ان سے زکوٰۃ وصول کیا کرو) کہیں نہیں آیا۔ دوسرے یہ کہ تُزَكِّيهِمْ کہہ کر خود اس امر کی وضاحت کر دی کہ اس آمدنی کا مقصد ان کی نشوونما کا اہتمام کرنا ہے۔ اس سے بھی واضح ہے کہ زکوٰۃ کسی آمدنی کا نام نہیں۔ یہ حکومت کی آمدنی کے مقصد کا نام ہے۔ یعنی یہ آمدنی اس مقصد (زکوٰۃ) کے لئے صرف کی جائے گی۔ جب اسلامی حکومت قائم نہیں ہوئی تھی، یہ آمدنی صدقات (عطیات) کی شکل میں تھی۔ جب اس حکومت کے ذریعے قرآن کا معاشی نظام وجود میں آگیا تو انفرادی صدقات کی ضرورت نہ رہی۔ پھر مومنین کا سارے کا سارا (زائد

از ضرورت) مال، اس مقصد کے حصول کے لئے وقف ہو گیا۔ (ضمناً) قرآن کریم میں، صدقات کی طرح، قرض، وراثت، وصیت وغیرہ سے متعلق احکام بھی اس عبوری دور کے لئے ہیں جب ہنوز اسلامی نظام قائم نہ ہوا ہو۔ جب وہ نظام قائم ہو جائے تو ان چیزوں کی ضرورت ہی نہیں رہتی۔

اس مقام پر ایک اہم نکتہ سامنے آتا ہے۔ سورۂ بقرہ کی مشہور آیت ہے۔ لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ۔ کشاد کی راہ یہ نہیں کہ تم اپنا منہ مشرق کی طرف کرتے ہو یا مغرب کی طرف۔ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ۔ کشاد (نیکی) کی راہ اس کی ہے جو اللہ، یوم آخرت، ملائکہ، کتب خداوندی اور انبیاءؑ پر ایمان لائے۔ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِي الرِّقَابِ۔ اور مال و دولت کی کشش کے باوجود اسے ضرورت مندوں اور محتاجوں کو دے۔ (ان کی تفصیل آیت میں دی گئی ہے) اس کے بعد ہے۔ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ...... (2/177)۔ "اور جو اقامت صلوٰۃ اور ایتائے زکوٰۃ کا فریضہ ادا کرے"۔ اس آیت میں دیکھئے۔ پہلے ایتائے مال کا ذکر کیا گیا اور پھر ایتائے زکوٰۃ کا۔ اگر زکوٰۃ سے مراد کچھ مال دینا ہوتا تو ایتائے مال کے بعد ایسا کہنے کی ضرورت کیا تھی؟ ایتائے مال سے ایتائے زکوٰۃ کا فریضہ خود بخود ادا ہو جاتا ہے۔ اس سے بھی واضح ہے کہ ایتائے زکوٰۃ، ایتائے مال سے الگ چیز ہے۔ اس آیت میں ایتائے مال سے مراد صدقات ہیں اور ایتائے زکوٰۃ کا مطلب، سامان نشوونما بہم پہنچانے کا حکومت کا فریضہ۔

◆

ہم کہہ یہ رہے تھے کہ "زکوٰۃ" کا مروجہ مفہوم اس دور میں وضع ہوا تھا جب خلافت ملوکیت میں تبدیل ہو گئی تھی۔ اور قرآن کے معاشی نظام کی جگہ، نظام سرمایہ داری پھر سے در آیا تھا۔ زکوٰۃ کا یہ مفہوم درحقیقت، نظام

سرمایہ داری پر "اسلامی ٹھپہ" لگانے کے لئے تھا۔ مروجہ زکوٰۃ کا نصاب خود اس امر کا غماز ہے کہ اس میں سرمایہ داروں (دولت مندوں) سے کس قدر رعایت برتی گئی ہے۔ وہ نصاب یہ ہے۔

(1) چاندی ساڑھے باون تولہ (2) سونا ساڑھے سات تولہ

(3) اونٹ پانچ راس (4) گائے تیس راس (وغیرہ)

آجکل کے نرخ کے حساب سے ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت پندرہ' سولہ سو روپے بنتی ہے' اور ساڑھے سات تولہ سونے کی قیمت پندرہ سولہ ہزار۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ جس (غریب) کے پاس پندرہ' سولہ سو روپے ہوں' اس پر تو زکوٰۃ واجب ہو جائیگی۔ لیکن جس (امیر) کے پاس تیرہ چودہ ہزار روپے ہوں' اس پر زکوٰۃ واجب نہیں ہو گی۔اور اگر ملکیت اونٹوں اور گائے بھینسوں کی ہو' تو پھر بات کہیں کی کہیں جا پہنچے گی۔ اس میں ہزارہا روپے کا مالک' زکوٰۃ سے مستثنیٰ قرار پا جائے گا۔

یہاں ایک اور گوشہ سامنے آتا ہے۔ ہم دیکھ چکے ہیں کہ حضورؐ نبی اکرمؐ زائد از ضرورت ایک پیسہ بھی اپنے گھر میں نہیں رکھتے تھے۔ یہ متفقہ طور پر تسلیم ہے کہ حضورؐ نے مروجہ زکوٰۃ کبھی ادا نہیں کی۔ لیکن حضورؐ کے اہل خانہ (نساء النبیؐ) کو ارشاد خداوندی تھا کہ وَاَقِمۡنَ الصَّلٰوۃَ وَاٰتِیۡنَ الزَّکٰوۃَ (33/33)۔ تم اقامت الصلوٰۃ اور ایتائے زکوٰۃ کا فریضہ ادا کرو۔ اب ظاہر ہے کہ جس گھر میں زائد از ضرورت ایک پیسہ بھی نہ رکھا جاتا ہو' اس گھر کے افراد (یا ازواج مطہراتؓ) مروجہ زکوٰۃ کیسے ادا کریں گے؟ اس سے بھی واضح ہے کہ زکوٰۃ سے مراد' جمع شدہ مال میں سے اڑھائی فیصد روپیہ ادا کرنا نہیں۔ حضورؐ نبی اکرم کا فریضہ یُزَکِّیۡہِمۡ (62/2)۔ بھی تھا۔ یعنی مناسب تعلیم و تربیت سے افراد امت کی صلاحیتوں کی نشوونما کرنا۔ یہی وہ فریضہ تھا جسے حضورؐ کے اہل خانہ' اپنے حلقہ اثر میں ادا کرتے تھے۔ یعنی مناسب تعلیم و تربیت سے متعلقہ افراد کی صلاحیتوں کی برومندی اور اس طرح ان کی سیرت

و کردار کا تزکیہ- یہی حکم انبیاءؑ سابقہ اور ان کے اہل خانہ کے لئے بھی تھا-
(19/55;19/31;21/73 وغیرہ)-

جہاں تک عشر کا تعلق ہے (یعنی زمین کی پیداوار پر زکوٰۃ) تو یہ بھی ہمارے دور سرمایہ دار کا وضع کردہ تصور ہے- قرآن کے معاشی نظام کی رو سے' زمین' تمام مخلوق کے لئے ذریعہ پرورش ہے اس لئے اس پر کسی کی ذاتی ملکیت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا- (اس کی تفصیل' پرویز صاحب کی کتاب " نظام ربوبیت" میں ملے گی)-

---

زکوٰۃ کے متعلق جو کچھ سابقہ صفحات میں لکھا گیا ہے اس سے واضح ہے کہ

(1) زکوٰۃ کے معنی سامان نشوونما ہیں-

(2) قرآن کریم میں' ایتائے زکوٰۃ (افراد معاشرہ کو سامان نشوونما مہیا کرنا) اسلامی مملکت کا فریضہ یا ذمہ داری قرار دیا گیا ہے- اس میں جہاں جہاں "زکوٰۃ دینے" کا حکم یا ذکر ہے' اس سے مراد' افراد معاشرہ (اور آخرالامر نوع انسان) کو سامان زیست اور نشوونما مہیا کرنا ہے- ایک حکومت اس وقت اسلامی کہلا سکتی ہے جب وہ اس ذمہ داری کو قبول کرے اور اس پر عمل پیرا ہو-

پرویز